رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

ہفتہ وار

الحکم

اخبار

قادیان

دور جدید

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

بیا در بزم مستان تا ببینی عالم دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر اعلیٰ:- شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

مدیر مسئول:- شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

چندہ سالانہ
حکومت اور والیان ریاست سے .... ممر
امراء و رؤسا سے ..... صہ ر
معاونین سے ..... عہ ر
عوام سے ..... صہ ر
ممالک غیر سے ۱۲ر

مدینۃ المسیح
قادیان دار الامان سے
ہر ماہ عیسوی کی
۷-۱۴-۲۱-۲۸
تاریخ کو
خدا کے فضل سے شائع
ہوتا ہے۔

قیمت
فی پرچہ ۲ر

جلد ۴۲ | مورخہ ۲۱ رجنوری سنہ ۱۹۳۹ء مطابق ۲۹ رذیقعد سنہ ۱۳۵۷ ہجری | نمبر ۲

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد (الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہمارا سالانہ جلسہ

(۲)

ایک زمانہ تھا کہ لنگر خانہ میں سالانہ جلسہ پر ایک تنور اور ایک دو دیگیں آنیوالے اصحاب کی تواضع اور مہمان نوازی کا سامان مہیا کر سکتی تھیں۔ مگر یہ انتظام بھی ہر سال بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ زمانہ آگیا۔ کہ دو جگہ انتظام ہوگیا۔ اور پھر یہ بھی کافی ثابت نہ ہوا۔ اور آج ہماری آنکھوں نے دیکھا۔ کہ ساری قادیان لنگر خانہ بنی ہوئی تھی۔ اور انتظام کیلئے ایک نظارت کے ماتحت تین الگ الگ نظامتیں کام کر رہی تھیں جن میں سے ایک صرف سپلائی سٹور کے کام پر مقرر تھی۔ کوئی گھر کوئی گلی کوئی کوچہ کوئی میدان ایسا نہ تھا جس میں زائرین قادیان کو ہم چلتے پھرتے نہ دیکھتے ہوں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ انسانی سمندر ہر طرف ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس انسانی سمندر کے آرام و آسائش کیلئے نظارت ضیافت کی طرف سے متعدد دفاتر اور محکمے کھولے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل میں آگے چلکر دونگا۔ مگر ان سب دفاتر کا اور محکموں کا تعلق نظارت ضیافت کیساتھ ہوتا ہے۔ اس سارے نظام کی اہمیت اسوقت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سالانہ جلسہ پر آنیوالے مردوں کے ساتھ مستورات اور بچوں کی بھی ایک جماعت ہوتی ہے۔ اور انکا انتظام مستورات کو کرنا ہوتا ہے۔ اور قادیان کی مستورات کو اس انتظام کے قیام کیلئے قادیان کے مردوں کی طرح دن رات کے تمام اوقات میں شدید خدمت کرنی پڑتی ہے۔ ناظر ضیافت کو مستورات کے ساتھ مکمل تعاون کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے ناظر ضیافت کی پوزیشن جلسہ کے ایام میں بالکل ایسی ہوتی ہے۔ جیسے میدان جنگ میں انتظام کی ساری ذمہ داری وزیر جنگ پر ہوتی ہے۔

اس سال کا ناظر ضیافت

گذشتہ ایک بڑی مدت سے حضرت میر محمد اسحاق صاحب ناظر ضیافت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص قوتوں اور قابلیت سے سرفراز فرمایا ہے۔ وہ سالانہ جلسہ کا انتظام اپنی خاص قابلیتوں کی وجہ سے اور سالہا سال کے تجربے کی وجہ سے اس آسانی سے کر لیتے ہیں۔ کہ کام میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ مگر اس سال جلسہ سے قبل اُن کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ اور نمونیہ کا حملہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اس نے اپنے فضل سے اس قیمتی وجود کو شفا بخشی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ مگر ایام جلسہ میں ان کو کامل آرام کی ضرورت تھی۔

اس لیئے ایک نئے شخص کا اس اہم منصب پر عارضی طور پر فائز کرنا ضروری تھا۔ دیکھنے والوں کو خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ اس قدر تجربہ کسی اور شخص کو نہیں جسقدر حضرت میر صاحب کو ہے۔ کہیں اس سال کوئی انتظام میں گڑبڑ نہ ہو۔ مگر اسدفعہ انتظام کا بحسن وخوبی ختم ہو جانا متعدد امور پر کھلی کھلی دلیل تھا۔

اول یہ کہ خدا نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو جو بصیرت عطا کی ہے۔ وہ بالکل خدائی عطاء ہے۔ آپ اپنے خدام کی مخفی قابلیتوں کا بھی جو اندازہ رکھتے ہیں۔ وہ اور کوئی نہیں رکھ سکتا۔

دوسرے۔ یہ سلسلہ الٰہی سلسلہ ہے۔ اسلئے اللہ اپنے فضل سے ہر طرح بہتری کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

تیسرے۔ یہ کہ کام انسان کی مخفی قوتوں کو دنیا کے سامنے نمایاں کر دیتے ہیں۔

چنانچہ

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے اس اہم اور نازک کام کیلئے حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی خانصاحب کا انتخاب فرمایا۔ جب خانصاحب کے تقرر کے متعلق سُنا۔ تو بے شک ہم کو تعجب ہوا۔ اور ہم نے اپنے دل میں کہا۔ کہ خانصاحب کو نظارت ضیافت سے تو کوئی دور کا تعلق بھی نہیں۔ مگر جلسہ کے کام نے ثابت کر دیا۔ کہ خانصاحب میں یہ اہلیت ہے۔ کہ انکو جس کام کیلئے بھی مقرر کر دیا جائے۔ وہ اُسے نہایت عمدگی سے نبھا سکتے ہیں۔

قبل اس کے کہ میں اگلے نمبر میں جلسے کے بقیہ حالات پر تبصرہ کروں میں سالانہ جلسہ میں نظارت ضیافت پر ایک تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔ تا احباب کو معلوم ہو۔ کہ سلسلہ کے ان خدمتگذاروں کو کسقدر شدید محنت شاقہ میں سے گذر کر اپنے فرائض کو سرانجام دینا پڑتا ہے۔ (باقی)

مبارکباد

"الحکم" یہ پرچہ ۲۱ رجنوری سنہ ۳۹ء کو شائع ہو رہا ہے۔ مگر کل ۲۲ رجنوری سنہ ۳۹ء کو خاندانِ نبوت میں ایک نہایت مبارک تقریب عمل میں آرہی ہے۔ یعنی جناب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی تقریب رخصتانہ عمل میں آرہی ہے۔ اسوقت اس پرچہ میں یہ مسرت افزا خبر شائع کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں مفصل کیفیت اگلے نمبر میں شائع کردوں گا۔
ان شاء اللہ

یادِ رفتگان!

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ

آہ! چوہدری شیخ احمد صاحب مرحوم

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے خدا جانے مجھے کیا یاد آیا

ایک شفیق محسن کی موت اور اس کی یاد دل کو بے قرار اور آنکھوں کو اشکبار کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اخی المحترم چوہدری شیخ احمد صاحب (اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں اُن پر ہوں) کی زندگی کے مختصر سوانح مخدومی حافظ عبد السلام صاحب امیر جماعت احمدیہ شملہ کی طرف سے الفضل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے دل میں اک کرب و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اور اس پُرخلوص تعلق کے سبب جو مرحوم سے اس عاجز کو تھا۔ اور جو اپنے اندر بلا شبہ ایک خصوصیت رکھتا ہے جذبات میں سخت ہیجان پیدا ہوا۔ اور طبیعت کی بے چینی نے تقاضا کیا۔ کہ مَیں بھی اپنے تاثرات کو جو مرحوم بھائی کی پیاری شخصیت نے میرے قلب پر چھوڑے ہیں سپردِ قلم کر کے دل کی آگ کو ٹھنڈا کروں۔ اور احباب تک پہنچا کر جانے والوں کی نیک یاد کو قائم کرنے کے ثواب میں شریک ہو جاؤں۔

مرحوم بھائی سے عاجز کا تعلق ۱۹۳۰ء سے شروع ہوتا ہے جن دنوں میں بیکار اور نادار تھا۔ اور سخت سراسیمگی اور خستگی کی حالت میں تلاشِ روزگار میں لمبے عرصہ تک پہلے شملہ اور بعد میں دہلی پھرتا رہا۔ اُن ایام میں باوجود اس کے کہ میں شملہ اور دہلی میں ایک اجنبی تھا۔ مرحوم محسن نے اکثر مجھ سے احسان کا سلوک کیا۔ اور میرے ساتھ ایک ہمدرد راہنما اور شفیق بزرگ کا سا برتاؤ کیا۔ بہت دفعہ ایسا ہوا۔ کہ آپ مجھے گورنمنٹ آف انڈیا کے دفاتر میں پھرتے دیکھ لیتے اور میرے چہرے سے سراسیمگی اور دن بھر کی جد و جہد کی کوفت کے آثار مطالعہ کرتے اور مجھے نہایت محبت اور شفقت کیساتھ اپنے گھر لے جاتے۔ چائے اور طعام وغیرہ سے تواضع فرماتے۔ اور تسلّی آمیز باتیں کر کے فرمایا کرتے تھے:۔

”میں آپ کیلئے دعا کرتا ہوں۔ اور جب کبھی آپ کی صبح سے شام تک کی دوڑ بھاگ اور امید و بیم کے جذبات کا تصور آتا ہے۔ تو دعا کے لئے خوب جوش پیدا ہوتا ہے۔“ فرماتے۔ ”آپ مطلق نہ گھبرائیں دعائیں لگے رہیں۔ آپ جس عزم اور اَن تھک طریق سے مولا کے فضل کی تلاش میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور کامیاب کریگا۔ اور کبھی ضائع نہیں کریگا۔“

جیسا کہ مخدومی حافظ صاحب نے اپنے مضمون میں بیان فرمایا ہے۔ آپ ملٹری سیکرٹری وائسرائے کے دفتر میں بھی عارضی طور پر ملازم رہے۔ اس تجربہ کی بنا پر آپ نے عاجز کو مشورہ دیا۔ کہ میں بھی ملٹری سیکرٹری وائسرائے اور پرائیویٹ سیکرٹری وائسرائے کے دفتر میں درخواستیں دے دوں۔ عاجز نے مرحوم بھائی کے مشورہ پر عمل کیا تو قادر کریم نے اس میں برکت دی۔ اور میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری وائسرائے میں عارضی طور پر ملازم ہو گیا۔ اور اب وہیں تین سال سے مستقل طور پر ملازم ہوں۔ میرا یقین ہے۔ کہ میری کامیابی میں مرحوم کی دردمندانہ دعاؤں کا بہت حد تک دخل تھا۔

مرحوم کے خمیر میں اللہ کریم نے ہمدردی۔ تواضع اور ایثار کا مادہ غیر معمولی طور پر رکھا تھا۔ حضرت حافظ صاحب کے مضمون میں مرحوم کی اس خواہش کا ذکر ہے۔ کہ ”نوجوانوں کو کام کرنیکا موقعہ دیا جائے“۔ یہ عاجز جب اپریل ۱۹۳۵ء میں شملہ آیا۔ تو سیکرٹری تعلیم و تربیت کے عہدہ کیلئے جس پر مرحوم بہت عرصہ تک فائز رہے۔ میرا نام تجویز کرنے والوں میں سے آپ بھی تھے۔ آپ گرچہ کہولت کی عمر میں پہنچ چکے تھے۔ مگر نوجوانوں کی سی طبیعت رکھتے تھے۔ نہایت زندہ دل۔ اور جواناں ہمت بزرگ تھے۔ بلا مبالغہ آپ ہماری مجالس کی رونق تھے۔ اور آپ کی بے وقت موت نے ہماری مجالس کو سُونا کر دیا۔ اور ہماری جماعت کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آپ کو مطالب و معارفِ قرآن مجید سے بہت ذوق تھا۔ اور ہماری ہفتہ وار مجالس میں آپ کے لطیف اور دلچسپ استفسارات بلا شبہ ہماری مجلس کی رونق اور ہر طبقہ کے احباب کے علم میں اضافہ کا موجب ہوتے تھے۔ آپ کی وفات سے مخلصین کے قلوب نے شدید دھکا محسوس کیا ہے۔ میرے تصوّر کی آنکھ اب بھی مرحوم کو ہماری مجالس میں تقریر کرتے کھڑا دیکھتی ہے۔ مگر ان کی جدائی کے خیال سے دل بیٹھا جاتا ہے۔

مرحوم کے پیارے خصائل میں سے ایک عادت یہ بھی تھی۔ کہ جب کبھی کوئی انہیں ملنے جاتا۔ تو خواہ تندرست ہوں یا بیمار۔ سوائے اس کے کہ چلنے سے ہی معذور ہوں ضرور اپنے مہمان کی پیشقدمی کے لئے آتے۔ نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ اور اکرام فرماتے۔ عاجز کو اکثر ویسے بھی اور اپنے عہدہ کے فرائض کے تعلق میں بھی مرحوم کے ہاں جانے کا اتفاق ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا اوقات ایسا ہوا۔ کہ میں شام کیوقت اپنے دورہ پر روانہ ہوا۔ اور مرحوم کے مکان پر ایسے وقت پہنچا۔ جبکہ عشاء کی نماز بھی ہو چکی تھی۔ مگر بے وقت آنے اور آرام میں مخل ہونے سے مرحوم کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ بلکہ اس کے خلاف ہمیشہ چہرہ پر مسکراہٹ ہوتی اور اسطرح پیش آتے گویا۔ کہ آپ کو میری تکلیف کا بیحد احساس ہے۔ اور اکثر اس کا اظہار فرماتے۔ مجھے یاد نہیں۔ کہ انہوں نے کبھی بھی تعلیم و تربیت کے کام میں تعاون کرنے سے گریز کیا ہو۔ ہمیشہ پورا پورا تعاون فرماتے اور یہاں تک ذرہ نوازی کرتے۔ کہ شرمندہ کر دیتے۔ فرمایا کرتے:۔

”رشک آپ کے اس جوش پر رشک آتا ہے۔ کہ باوجود خرابیٔ صحت اور مختلف افکار اور پریشانیوں کے سخت سردی کی راتوں میں دوستوں کے مکانوں پر پھرتے ہیں۔ ہمیں کیا تکلیف ہے۔ ہم تو آرام سے گھروں پر بیٹھے ہیں۔“ باوجود اس حقیقت کے کہ میں اپنے فرائضِ منصبی میں سخت کاہل اور سست رہا ہوں۔ اور بعض اوقات اپنی غفلت کو جرم کی حد تک محسوس کیا ہے۔ مگر مرحوم بھائی کی وسعتِ قلبی، شفقت، محبت اور قدردانی ہمیشہ کمزور ہمت کو بندھانے اور دل کو بڑھانے کا موجب ہوتی۔ جو اس عاجز کو جماعت کے کسی اور بزرگ سے کم میسر آئی۔ اور میں خدا کے فضل سے انشراحِ صدر کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ نظامِ جماعت کا وہ احترام اور بے لوث جذبۂ خدمت انکسار اور تعاون کی روح جو مرحوم میں پائی جاتی تھی جماعت احمدیہ شملہ کے شائد ہی کسی اور فرد میں پائی جاتی ہو۔ واللہ اعلم

مرحوم نے اپنی یادگار کئی بچے چھوڑے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے چوہدری سردار احمد صاحب فیڈرل پبلک سروس کمیشن میں اسسٹنٹ ہیں جو بہت ہی سعید اور مخلص نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو اپنے مرحوم باپ کی تمام خوبیوں کا وارث بنادے افسوس کہ مرحوم اپنی زندگی میں اپنے جوان بچوں کے متعلق فرائض سے بھی پورے طور پر سبکدوش نہ ہو سکے تھے۔ کہ قضا کا پیغام آ پہنچا۔ ابھی دو سال ہوئے۔ کہ بڑے بچے کی شادی کی تھی۔ اور بڑی بچی کا نکاح کچھ عرصہ ہوا کر دیا تھا۔ مگر افسوس کہ جیتے جی رخصتانہ نہ کر سکے۔ آپکے داماد چوہدری محمد شریف صاحب بی۔ اے۔ نیروبی (افریقہ) میں ملازم ہیں۔ اور آپ کی غیر حاضری میں ہی آپکے خسر کا انتقال ہو گیا۔ اس تعلق میں مرحوم بھائی اور دیگر متعلقین کی تکلیف کا خیال دل کو بے قرار کئے بغیر نہیں رہتا۔ اللہ سب کے جذبات پر رحم کر کے مولائے رحیم مرحوم بھائی کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور اپنے قرب اور وصال سے وافر حصہ عطا کرے۔ اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ اور اپنی محبت اور شفقت کے سایہ تلے اُن کی پرورش فرمائے۔ اُن کی غمزدہ اہلیہ کے مجروح دل پر اپنے فضل اور رحم کی مرہم رکھے اور بڑے بچوں کو ہمت اور طاقت عطا فرمائے۔ کہ وہ مرحوم کی ذمہ داریوں...... کو جوان کے سپرد ہو چکی ہیں۔ پورے صبر، عزم اور قابلیت کے ساتھ سرانجام دینے والے ہوں۔ ایں دعا از من و از جملہ احباب آمین باد۔ (عاجز خادم حسین ناز دفتر پرائیویٹ سیکرٹری وائسرائے شملہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیرت المہدی کا ایک ورق

(۳)

(بقیہ روایات تحریر کردہ شیخ محمد نصیب صاحب)

(گذشتہ سلسلہ کیلئے دیکھو جلد ۴۲ نمبر ۱)

کبھی نہیں دیکھا گیا۔ کہ آپ (علیہ السلام) نے کسی کے نکاح کا خطبہ پڑھا ہو۔ آپ نے اپنی حیات میں اپنے بچوں یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور صاحبزادی مبارکہ بیگم کا نکاح کیا۔ آپ مجلس نکاح میں موجود تھے۔ مگر خطبہ حضرت مولوی نور الدین رضی صاحب نے پڑھا۔

* * *

حضرت اقدسؑ کی مجلس میں ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے آپ بڑے نقص کا خیال رکھتے۔ چھوٹی کمزوریوں کی پردہ پوشی فرماتے۔ ایک دن حضرت میر صاحب مرحوم نے سوال کیا۔ کہ آپ کے ارد گرد داڑھی منڈھے بیٹھتے ہیں۔ تو آپ اُن کو روکتے نہیں۔ فرمایا۔ میر صاحب! آپ کو تو اُن کی ظاہری داڑھیوں کا فکر ہے۔ اور مجھے باطنی داڑھی یعنی دل کی درستی کا فکر ہے۔ جب وہ درست ہوگئی۔ تو یہ خود بخود رکھ لیں گے۔ جب دیکھیں گے۔ کہ میری اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی تھی۔

میر صاحب چونکہ پہلے وہابی رہ چکے تھے۔ اس لئے اُن کو ایسی باتوں کا بہت خیال تھا۔

* * *

مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے عرض کیا۔ کہ حضرت! آپ کو کسی عمل میں ریا بھی آتا ہے یا نہیں۔ فرمایا مولوی صاحب! اگر آپ مویشیوں کے چوڑنے (ریوڑ) میں نماز پڑھیں۔ تو آپ کسی گائے یا بھینس کو خوش کرنے کیلئے سنوار کر نماز پڑھیں گے؟ عرض کیا۔ نہیں تو فرمایا۔ ہمیں لوگ چارپایوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ پھر ریا کس بات کی؟

* * *

ایک دفعہ آپؑ مسجد میں مجمع احباب میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کھیلتے ہوئے آئے۔ اور حضرتؑ کی گود میں بیٹھ گئے میاں صاحب کو جب کوئی ہنسی کی بات یاد آئی۔ تو آپ بار بار ہنستے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میاں! مجلس میں ہنسا نہیں کرتے۔ خاموش بیٹھو یا جاؤ جا کر کھیلو۔ مگر میاں صاحب کو بار بار ہنسی آتی تھی۔ آخر خود ہی وہاں سے چلے گئے۔

* * *

شیخ عبدالرشید صاحب بٹالوی کے والد شیخ عبدالکریم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف تھے۔ اور شیخ عبدالرشید صاحب سے بوجہ احمدیت مخالفت کرتے اور ناراض رہتے تھے شیخ صاحب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر تکلیف کا اظہار کرتے۔ آپ یہی تلقین فرماتے۔ کہ صبر کرو اور والد کی خدمت اور اطاعت کرتے جاؤ۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوئے شیخ صاحب فرطِ محبت سے جو ایک سعید لڑکے کو والدین سے ہوتی ہے۔ نہ رہ سکے حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا۔ والد صاحب بیمار ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کو علاج کے لئے بھیجیں۔ آپ نے غور کرنے کے بعد فرمایا۔ میں بھیج تو دوں۔ کوئی فرق نہ کروں۔ لیکن معاملہ نازک ہے۔ ممکن ہے کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو آپکی دشمنی کا نتیجہ سمجھ لیا جائے اسلئے میں انہیں بھیجنا مناسب نہیں سمجھتا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر وہ فوت ہوگئے۔ تو عزیز و اقارب یہ نہ کہدیں۔ کہ کوئی دوائی کھلا کر مار دیا ہے شیخ صاحب مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والد کی حالت سے اطلاع دی۔ مگر حضرت اقدسؑ سے ملنے کا ذکر نہ کیا . . . . . .

. . . . . . اُن کی خواہش تھی۔ کہ کسی طرح مولوی صاحب والد کے علاج کیلئے چلیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ دیکھو! میں ابھی حضرت صاحبؑ کو لکھتا ہوں۔ وہاں سے اجازت آجائے تو تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ رقعہ لکھا مگر حضرت صاحبؑ نے وہی جواب دیا۔ مولوی صاحب حیران کہ ان لوگوں کی فراست کمال ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیخ صاحب اچھے نہیں ہونگے۔ گھٹنے پر سر رکھ کر تھوڑی دیر سوچا۔ اور شیخ عبدالرشید صاحب کو کہا۔ کہ میرا جانا حضرت صاحبؑ پسند نہیں فرماتے۔

پھر فرمایا۔ دیکھو سید عبداللہ صاحب عرب کو ہمراہ لے جاؤ۔ یہ میری ہدایت کے مطابق علاج کریں گے۔ اور اُسے دوائیں وغیرہ سمجھا دیں۔ اور علاج کیلئے ضروری ہدایات دیدیں۔ سید عبداللہ صاحب عرب جب گئے۔ تو اُن کے والد نے اُن کا علاج کرانا پسند نہ کیا۔ کہا۔ کہ اگر مولوی صاحب تشریف لاتے تو اچھا تھا۔ اِن سے کیا علاج کرانا ہے۔ یہاں بٹالہ میں حکیم ہیں۔ ان کو بلاؤ۔ عرب صاحب کو رخصت کر دیا۔ اور دوسرا حکیم بلایا۔ مگر طبیعت بگڑ گئی۔ اور وہ فوت ہوگئے۔ شیخ صاحب چند روز بعد حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولوی صاحب نے اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا۔ کہ میں تو حضرت صاحب کے اس روز کے جواب سے ہی سمجھ گیا تھا۔ کہ آپ کے والد صاحب صحتیاب نہیں ہونگے۔

* * *

حضرت اقدسؑ نے امراء کی طرح کبھی تنخواہ دار ملازم نہیں رکھے بلکہ آپ کے بعض خدام محبت وعشق کے جذبہ کے ماتحت خود ہی دروازہ پر رہتے اور جو خدمت آپ کسی کو فرماتے کر دیتے۔ اور آپ اُن کی پرورش فرماتے۔ مثلاً حافظ حامد علی صاحب مرحوم عموماً لنگر کے لئے ایندھن فراہم کیا کرتے۔ حافظ قدرت اللہ صاحب ڈیوڑھی پر رہتے۔ اور ایسے ہی میاں اکبر خانصاحب مرحوم میاں مبارک احمد صاحب کو رکھا کرتے۔ ایکدن خانصاحب نے حضرت اقدسؑ سے عرض کیا۔ کہ حضرت مبارک احمد مجھے نماز باجماعت ادا کرنے نہیں دیتا۔ فرمایا۔ خانصاحب وہیں نماز پڑھ لیا کرو۔ آپ کی باجماعت ہی ہو جاتی ہے۔

ایسے ہی گھر میں کئی غریب اور بیوہ عورتوں اور یتیم مسکین بچوں کی پرورش ہوا کرتی تھی۔ اور وہ کچھ نہ کچھ خدمت بھی کر دیا کرتے۔ مگر کسی سے نوکروں والا سلوک نہیں تھا۔ چراغ۔ فجا۔ عمر دین مہر دین۔ باغ برادر چراغ یہ بچے تھے۔ اور والدہ مہر دین عمر دین۔ والدہ صفیہ خاتون والدہ اکبری۔ اور دادی والدہ منشی محمد شادی خانصاحب۔ اہلیہ کلاں بابو شاہدین صاحب مرحوم بیوہ و غریب عورتیں تھیں۔ جب یہ بچے بلوغت کو پہنچتے۔ تو آپؑ اندر جانے سے منع کر دیتے۔

* * *

حضرت اقدسؑ نے حکیم فضل دین صاحب کو ایک دفعہ فرمایا۔ کہ نماز پڑھاؤ۔ عرض کیا۔ کہ حضرت! میرا تو وضو نہیں ٹھہرتا۔ ٹوٹ جاتا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ کہ آپ پھر کیا کرتے ہیں۔ عرض کیا۔ کہ ہر نماز کیلئے ایک دفعہ وضو کر لیتا ہوں۔ جب ٹوٹ جائے۔ تو بیماری پر محمول کر کے اپنے آپ کو معذور خیال کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ فرمایا۔ تو پھر کیا آپ کی

نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ عرض کی! ہو جاتی ہے۔ فرمایا جب آپ کو یہ یقین ہے۔ تو پھر ہماری نماز بھی آپ کے پیچھے ہو جائیگی۔

ایک مرتبہ ایسا ہؤا۔ کہ ایک دو آدمی مہمانخانہ میں حقہ نوشی زیادہ کرنے لگے۔ اس سے آنے والے مہمانوں پر بُرے اثر کا ڈر تھا۔ اور اس وجہ سے نماز میں غفلت کا خیال۔ لہذا آپ نے ان ہر دو کو یہاں سے چلے جانے کو کہا۔ اور وہ قادیان سے چلے گئے۔

سکول میں بچوں کو مارنے کے آپ سخت مخالف تھے۔ اگر کوئی مدرس بچوں کو مارنے سے باز نہ آتا۔ یا شخص سے خلاف شریعت کوئی کام سرزد ہوتا تو سکول یا قادیان سے نکال دیا جاتا۔

ایک رات ایسا اتفاق ہؤا۔ کہ خان بہادر حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی اہلیہ صاحبہ یعنی والدہ مرزا رشید احمد صاحب سخت بیمار ہو گئیں۔ مرزا صاحب بھی اندنوں قادیان میں تھے۔ مگر نیچے دیوان خانہ میں سوئے ہوئے تھے۔ اُن کے چیخنے سے حضرت اقدسؑ کی آنکھ کھل گئی۔ گو اندنوں تعلقات کشیدہ تھے۔ اور کوئی بول چال نہ تھا۔ مگر خدا نے اپنی مخلوق کیلئے جو درد آپؑ کے دل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ اس کی وجہ سے آپؑ سوئے نہیں اور سخت قلق سے صحن میں ٹہلتے رہے۔ ہم اُن دنوں حضرتؑ صاحب کے مکان میں رہتے تھے۔ میری بیوی کہتی ہے۔ کہ کئی بار میری آنکھ کھلی اور لگی میں نے جب دیکھا۔ تو حضرت اقدسؑ کو اسی گھبراہٹ میں ٹہلتے ہوئے ہی دیکھا۔ آپ سوئے نہیں۔ اور دریافت فرماتے کہ سلطان احمد اوپر آیا ہے یا نہیں۔ جواب نفی میں ملتا۔ جب صبح ہوئی۔ تو آپؑ نے حضرت بیوی صاحبہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"محمود کی اماں! رات خورشید کو سخت درد رہا۔ اور وہ بیتاب رہی۔ مگر سلطان احمد نیچے ہی رہا۔ اوپر نہیں آیا۔"

اگر حضرت اقدسؑ سے کسی کو کام ہوتا۔ تو مسجد مبارک کی اندرونی سیڑھیوں کے دروازہ پر آکر جو اب بند کیا ہؤا ہے۔ دستک دیتا۔ اگر کوئی عورت یا بچہ آتا۔ تو بہتر ورنہ بعض اوقات حضرت اقدسؑ بذات خود دروازہ پر تشریف لے آتے۔ اور بعض وقت آپ سر سے ننگے ہوتے۔ مگر مستورات یا بچوں کو خفا نہ ہوتے۔ کہ تم کیوں جا کر پتہ نہیں کرتے۔

صاحبزادہ مبارک احمد صاحب نے اپنی مرض الموت میں ایک چیز طلب کی جو قادیان میں نہ مل سکتی تھی۔ اور اس کے لئے بہت ضد کی۔ حضرت بیوی صاحبہ نے عرض کیا۔ کہ آپ فلاں چیز لے کر مبارک احمد کو کہدیں۔ کہ لو مبارک وہ چیز آگئی۔ وہ مان جائیگا۔ اور خاموش ہو جائیگا۔ آپؑ نے ایسا تو نہ کیا۔ البتہ اتنا کہا۔ کہ "مبارک! اسی چیز کو تم وہی سمجھ لو"۔ مگر وہ نہ مانا۔ ایسا اسواسطے کیا۔ کہ آپؑ بچوں کو بہلانے میں بھی جھوٹ بولنا روا نہ رکھتے تھے

میاں نجم الدین صاحب قاسم طعام لنگرخانہ کو فرمایا۔ میاں صاحب! لنگر سے کھانا لینے والے بہت سے نوجوان ایسے ہیں۔ جو مجرّد ہیں۔ اس لئے لمبا شوربا کیا کرو۔ تا ان کو کوئی ابتلاء نہ آئے۔

نماز فجر آپ ہمیشہ اوّل وقت پڑھا کرتے۔ نماز سے فارغ ہونے پر بھی ابھی اندھیرا ہوتا۔ اور طلوع آفتاب تک کافی وقت ہوتا۔ سونے والا کافی سو لیتا۔ سفر کرنے والا کئی میل پیدل چلا جاتا۔ ایک دفعہ چاندنی رات میں مؤذن کو دھوکا لگ گیا۔ اذان کہہ دی۔ حضرت تشریف لائے۔ نماز بھی ہو گئی۔ مگر پَو نہ پھٹی بعد میں اس کا علم ہؤا۔ مگر نماز نہ دہرائی گئی۔

ایک شخص کو کسی دوسرے نے جھوٹا کہا۔ وہ اس پر آوازہ کس رہا تھا۔ حضرتؑ سن رہے تھے۔ فرمایا۔ اس شخص کو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ اور اسقدر خفا نہ ہونا چاہیئے۔ غور کرے۔ کہ کیا ساری عمر میں اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہ خدائے ستّار کی مہربانی ہے کہ اس نے ستر سے کام لیا۔ اور اسکا جھوٹ ظاہر نہ کیا۔

آپؑ ہفتہ میں دو بار باقاعدہ سر اور داڑھی میں حنا لگوایا کرتے۔ بال اور رخسارے نہایت ہی خوبصورت اور سُرخ ہوتے۔ موتیوں کی طرح چمکتے۔ وسمہ میں نے صرف ایک دفعہ دیکھا۔ یعنی وفات کے وقت لاہور لگوایا اور جب آپ کی نعش مبارک آئی۔ تو سر اور داڑھی کے بال سیاہ تھے۔ مگر حنائی بال بہت ہی سجتے تھے۔

خداتعالیٰ کے وعدوں پر آپؑ کو پورا یقین ہوتا جن دنوں کرم دین بھین ضلع جہلم کا مقدمہ تھا۔ آپ کو خداتعالےٰ نے فتح کی بشارات دی ہوئی تھیں۔ مگر مجسٹریٹ کی نیت بد تھی۔ ایک روز گورداسپور آپؑ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور آپکے احباب ارد گرد جمع تھے مگر متفکر۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کیا حضورؑ! حاکم کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے۔ آپؑ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور طبیعت میں ایک جوش سا پیدا ہؤا۔ اٹھ بیٹھے۔ اور فرمایا۔ خواجہ صاحب! کیا وہ **خدا کے شیر** پر ہاتھ ڈالیگا؟" آخر خدا تعالےٰ کے فضل سے اپنی وعدوں کے مطابق کامیاب ہوئے۔

دہلی جامع مسجد میں جبکہ مخالفین نے سخت شور برپا کیا۔ تو ایک شخص نے ہمدردی سے عرض کیا۔ کہ حضرت! آپنے اپنے دعویٰ کے اعلان میں غلطی کھائی ہے۔ آپ سر دست مجددیت کا دعویٰ ہی رہنے دیتے جب دنیا قابو آجاتی۔ تو پھر مسیح موعود کے دعویٰ کا اعلان کرتے۔

فرمایا۔ آپ کی ہمدردی کا میں مشکور ہوں۔ اگر میں دوکاندار ہوتا۔ تو ایسا ہی کرتا۔ مگر میں کیا کروں۔ مجھے اوپر سے جو حکم ملتا ہے۔ دنیا کو سنا دیتا ہوں۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

لاہور کا ذکر ہے۔ کہ ایک جگہ آپ ریلوے اسٹیشن کے پاس وضو کر رہے تھے۔ بہت سے احباب جمع تھے۔ پنڈت لیکھرام آیا۔ اور سلام کیا۔ حضرت صاحب نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر اُدھر ہو کر اُس نے دوبارہ سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ احباب نے سمجھا۔ کہ دونوں مرتبہ آپ نے سنا نہیں۔ ایک خادم نے عرض کیا۔ حضور! پنڈت لیکھرام سلام عرض کرتا ہے۔ آپنے فرمایا۔ میں نے سن لیا۔ اور اسے دیکھ لیا ہے۔ مگر اُسے شرم نہیں آتی۔ کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ اور مجھے سلام کہتا ہے۔

آپ بڑے وسیع القلب تھے۔ گو آپ کا مکان اسوقت اسقدر وسیع نہ تھا۔ جسقدر اب ہے۔ مگر پھر بھی آپ اپنے مکان میں اپنے دوستوں کو جگہ دیکر بہت خوش ہوتے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ۔ مولوی عبد الکریم صاحب۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی۔ مفتی محمد صادق صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ حافظ احمد اللہ صاحب۔ مرزا خدا بخش صاحب۔ میر نبی بخش صاحب بٹالوی۔ اور یہ خاکسار راقم الحروف آپ کے مکان میں رہتے رہے ہیں۔ اور آپؑ کی مہربانی اور خدا کے فضل سے اصحاب صفہ میں سے ہیں الحمد للہ ایک حصہ مکان میں حضورؑ بھی رہتے تھے۔ عدم گنجائش کی وجہ سے بعض ایسے مہمان ہوتے۔ کہ اُن کے گھر کے لوگ تو حضرت صاحبؑ کے مکان میں ہوتے اور وہ خود مہمان خانہ میں۔ اور کبھی کبھی آکر خبر لے جاتے۔ اسوقت مہمان خانہ ایسا وسیع نہ تھا۔ کہ اس میں اہل و عیال سمیت مہمان رہ سکیں۔ جیسا اب خدا کے فضل سے انتظام ہے۔ حضرت اقدسؑ خود تنگی اور تکلیف سے گذارہ کرتے۔ اور مہمانوں کو آرام دیتے اور اس میں وہ خوشی محسوس کرتے۔

جب ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کرلیا۔ تو نانا جان مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ آپؑ نے فرمایا۔ میر صاحب کو میڈیکل کالج میں داخل کرادیں۔ اگر ڈاکٹر ہو گئے۔ تو یہ کام اچھا ہے۔ کیونکہ اس میں خدا روٹی بھی دیدیگا۔ اور مخلوق خدا کی خدمت کا موقعہ بھی مل جاتا ہے۔ چنانچہ خدا نے رزق بھی خوب دیا۔ اور مخلوقِ خدا کی خدمت کا موقعہ بھی خوب دیا۔

* * *

حضور سیر کو تشریف لے جاتے۔ خدام کا ہجوم کثیر ساتھ ہوتا۔ اور گرد و غبار بے انتہا۔ مگر حضورؑ کبھی نہ گھبراتے۔ آپ کی عادت تھی۔ کہ اگر جوتا زخم کرتا [illegible] تو نئی جوتی کی ایڑی نیچے دبا لیتے۔ راستہ میں چلتے چلتے بعض وقت کسی خادم کا پاؤں حضورؑ کی جوتی یا سوٹی پر آجاتا۔ سوٹی گر پڑتی یا جوتا پاؤں سے نکل جاتا۔ تو آپ ٹھہر جاتے اور سوٹی پکڑ کر یا جوتا پہن کر آگے چلتے۔ مگر پیچھے یہ نہ دیکھتے۔ کہ کس کا پاؤں آیا ہے۔ تا اس خادم کو تکلیف نہ ہو۔

* * *

شروع شروع جب فونوگراف کی ایجاد ہوئی۔ آپ نے سنا کہ ایسی مشین ایجاد ہوئی ہے۔ آپؑ کی جیسا کہ عادت شریفہ تھی۔ کہ ہر طرح سے اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ کسی نہ کسی رنگ میں خدا کا نام مخلوق تک پہنچے۔ تو تبلیغ کا یہ نیا طرز آپ کو ہاتھ آیا۔ آپؑ نے ایک نظم لکھی۔ جسکا پہلا اور دوسرا شعر یہ ہیں۔ اور وہ درثمین میں چھپی ہوئی ہے۔

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

وہ دین کیا ہے جس میں خدا سے نشاں نہ ہو
مددِ حق نہ ہو اور تائیدِ آسمان نہ ہو

چونکہ ہندوؤں کو تبلیغ کرنا مقصود تھا۔ آپؑ نے لالہ بڈھا مل صاحب۔ لالہ شرمپت صاحب اور لالہ ملاوامل صاحب کو بلایا اور جماعت کے احباب بھی تھے۔ راقم الحروف بھی وہاں موجود تھا۔ اپنے مکان کے صحن میں حضورؑ نے دری بچھوائی۔ اجتماع ہوا۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے ہمارے سامنے یہ نظم اسوقت کے حالات کے ماتحت فونوگراف میں بھری اور پھر نہایت عمدہ خوش الحانی میں جیسا کہ مولوی صاحب مرحوم کا خاصہ تھا فونوگراف سے سنی۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

آخر میں میں جملہ احباب کی خدمت میں جو ان سطور کو پڑھیں عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ دردِ دل سے دعا کریں۔ کہ وہ میری جملہ کوتاہیوں کو معاف کرے اور خاتمہ بالخیر ہو آمین۔

خاکسار محمد نعیب ۹ ر نومبر ۱۹۳۸ء

دس تولہ سنکھیا کھانا آریہ سماج کی سچائی کی دلیل ہے

آریہ سماجی اخبار "پرکاش" میں ایک حیرت انگیز خبر شائع کی گئی ہے۔ کہ "ہندو مہاسبھا احمد آباد چھاؤنی کے وارشک اتسو پر ۵ ر دسمبر کو شری کیخسرو وکیل نے چیلنج دیا۔ کہ یدی کوئی آریہ دھرم کے سدھانتوں کا اسویکار کرتا ہے تو وہ میرے پاس آوے اور دس تولہ سنکھیا کھا کر دکھلائے۔ ورنہ میں آریہ سدھانتوں کی ستیا پر سنکھیا کھا کر بتلا دونگا۔ آپ کے چیلنج کو سویکار کرنیکا ساہس کسی کو نہ ہوا۔ اور آپ نے ہی دشال اپستھتی کے سمکش دس تولہ سنکھیا کا آہار کر کے یا دوسرے شبدوں میں آریہ سدھانتوں کی ستیا پورن روپ سے ثابت کر دی۔ بلکہ دلیش آہار میں سنسار بھر کا ریکارڈ توڑا ہے۔" (پرکاش ۱۵ ر جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۱)

اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آریہ سماجی بھائیوں نے آریہ سماج کی سچائی کے لئے ایک نئی دلیل پیدا کی ہے۔ اور وہ یہ کہ چونکہ کوئی شخص دس تولے سنکھیا استعمال نہیں کرسکتا۔ اور صرف ایک آریہ سماجی وکیل دس تولہ سنکھیا کھا کر ہضم کر [illegible] مذہب سچا ثابت ہوا۔ یہ دلیل جس قدر مضحکہ خیز ہے [illegible] ہر عقلمند انسان جان سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض تعلیم یافتہ آریہ سماجی بھی اس دلیل کو پڑھ کر اپنے دل میں کڑھتے ہوں۔ کیونکہ اس دلیل کا اثر دور جا پڑتا ہے۔ مذاہب کا تعلق کھانے پینے کی چیزوں سے اسی حد تک ہے جس حد تک ان چیزوں کا اثر روح پر اچھا یا برا پڑتا ہے۔ ورنہ مذہب تو انسان کو انسانیت کے اس بلند و بالا مقام پر لے جا کر کھڑا کرتا ہے۔ جہاں انسان کا تعلق خدا تعالیٰ سے پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر ایک شخص کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کرے۔ کہ میں پچاس روٹیاں کھا سکتا ہوں۔ اور عام لوگ پچاس روٹیاں نہیں کھا سکتے۔ اس لئے میرا مذہب سچا ہے۔ تو سب لوگ اُس پر ہنس دیں گے۔ اگر اس پر کوئی آریہ سماجی یہ کہے۔ کہ یہ تو غذا کی بات ہوئی سنکھیا تو ہلاک کرنے والی چیز ہے۔ تو اس کے جواب میں بھنگ پینے والے، شراب کا استعمال کرنے والے۔ چرس۔ دھتورا اور افیون وغیرہ استعمال کرنیوالے دنیا میں لاکھوں انسان موجود ہیں۔ اور ان میں بعض اس حد تک ان زہریلی چیزوں کو استعمال کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر ان کے جسم کو سانپ، بچھو وغیرہ قسم کا زہریلا کیڑا ڈس جائے تو وہ کیڑا اسی وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو کیا بھنگ کا ریکارڈ توڑنے والا۔ افیون کا ریکارڈ توڑنے والا۔ شراب کا ریکارڈ توڑنے والا۔ یا کوکین کا ریکارڈ توڑنے والا۔ یا مارفیا کے انجکشن لیکر اسکا ریکارڈ توڑنے والا انسان بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہے۔ کہ میں جس مذہب کا قائل ہوں۔ وہ اس لئے سچا ہے۔ کہ میرے مقابل میں کوئی اس قسم کی زہر استعمال نہیں کرسکتا۔

اگر یہ اصل درست تسلیم کرلیا جائے۔ تو پھر مذہب کی سچائی۔ معبدوں۔ مندروں سے نکل کر شراب خانوں اور چنڈو خانوں میں منتقل ہو جائیگی۔ اور کوئی شخص اس دلیل کے ساتھ کہ میرے ساتھ خدا کا تعلق ہے مذہب کی سچائی ثابت نہ کرسکے گا۔ ایسی دلیل اسی وقت پیش کی جاسکتی ہے۔ جبکہ مذہب سے کوئی تعلق نہ رہے۔ اور انسان کی قوت فکریہ زہریلی چیزوں کے استعمال سے تباہ و برباد ہو جائے۔

مگر ہم اس دلیل کی لغویت پر صرف اسی قدر لکھ دینے پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اس کی ہمہ گیری کے متعلق کچھ اور لکھنا چاہتے ہیں۔

کوئی دلیل اس وقت دلیل بن سکتی ہے۔ جبکہ وہ ہر لحاظ سے اپنی سچائی پر پوری اترے۔ اس لئے اگر صرف احمد آباد کا ایک وکیل سنکھیا کھانے کی مشق کر کے دس تولہ سنکھیا کھا سکتا ہے۔ تو یہ دلیل نہیں بن سکتا۔ ہاں اگر ہر آریہ سماجی مرد عورت بچہ جب یہ دعویٰ کرے۔ کہ سنکھیا کا زہر ہم پر اس لئے اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ کہ ہم آریہ سماجی ہیں۔ اور پھر سنکھیئے کی ایک بڑی مقدار آریہ سماجی حضرات ہر جگہ کے مردوں عورتوں کو کھلا کر اس کا تجربہ کرانے کیلئے تیار رہیں۔ اور پھر وہ سنکھیا ان میں سے کسی پر بھی اثر انداز نہ ہو۔ بے شک یہ دلیل قابل غور ہوسکے گی۔ مگر اس کے لئے کوئی آریہ سماجی شائد طیار نہ ہو۔

اس دلیل کو پرکھنے کا ایک اور طریق!

ایسی صورت میں ہم اس دلیل کو ایک اور طریق سے پرکھنے کیلئے بھی مجبور ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ سنکھیا کسی سچے آریہ سماجی کو ہلاک نہیں کرتا تو

سوامی دیانند جی مہاراج کے متعلق

آریہ سماجی کیا کہیں گے جن کو زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس اصول کو صحیح مان کر دو باتیں پیدا ہوں گی۔ یا یہ کہ سوامی جی سچے آریہ نہ تھے۔ اور یا یہ اصول جھوٹا ہے۔ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو بھی درست مان لینے کے معنے یہ ہونگے۔ کہ آریہ سماجی حضرات نے خود اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلیا ہے۔ امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب "پرکاش" اس نئے انکشاف پر دوبارہ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سوانح حیات حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳)

از جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ اڈیٹر "الفضل"

خود نوشت حالات

۱۹۳۳ء کا ذکر ہے۔ کہ میں نے حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ مجھے اپنے بعض حالات زندگی لکھادیں۔ تاکہ وہ آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ رہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے میری اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے کہا۔ کہ آپ کسی فرصت کے وقت آجایا کریں۔ میں روزانہ تھوڑے تھوڑے بہت حالات آپ کو لکھادیا کرونگا۔ چنانچہ ۴ر اگست ۱۹۳۳ء بروز جمعہ بعد نماز عصر میں قلم دوات اور کاپی لیکر اُن کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اور انہوں نے اپنے حالات مجھے لکھانے شروع کر دیئے۔ درمیان میں کئی دفعہ ناغہ ہوا۔ کئی دفعہ مولوی صاحب بیمار ہوتے۔ تو آپ حالات نہ لکھا سکتے۔ کئی دفعہ بعض لڑکیوں کو پڑھانے میں مشغول ہوتے۔ تو میں بغیر کچھ لکھے کے واپس آجاتا۔ کئی دفعہ مجلس میں کوئی معزز دوست موجود ہوتے تو ان کی موجودگی میں بھی حالات نہ لکھا سکتے۔ اسی طرح بعض دفعہ بیماروں کی موجودگی حالات لکھانے میں مانع ہوتی۔ لیکن بہر حال میں باقاعدہ جاتا رہا۔ اور مجھے خوشی ہے۔ کہ میری جدوجہد کام آئی اور میں کسی حد تک آپ کے حالات محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ اب میں سلسلہ وار مولوی صاحب موصوف کی اس خود نوشت سوانح حیات کو احباب کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔

والد ماجد کا نام۔ وطن اور ملازمت

میرے والدِ ماجد قوم ککّے زئیاں دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور سے ہیں۔ اُن کا نام مہتاب خاں تھا۔ راجہ شیر سنگھ کے ملازمانِ دربار میں سے تھے۔ جب راجہ شیر سنگھ کو اجیت سنگھ سندھاوالیہ نے لاہور کے باغ شاہ بلاول کے دریچہ میں گولی کا نشانہ بنایا۔ اُسوقت میرے والد راجہ شیر سنگھ کے سر پر کھڑے تھے۔ شیر سنگھ کو گولی لگی اور یہ ایک دستی پنکھے کی آڑ میں ہوگئے۔ اور بے ہوش ہوگئے رات کو آٹھ بجے کے قریب جب ہیرا سنگھ نے اجیت سنگھ کو لاہور کے قلعہ میں محصور کرکے توپ چلائی۔ تو اس کی دہل سے ان کو کسی قدر ہوش آیا۔ اور مردوں کے سینہ پر پاؤں رکھتے ہوئے شاہ بلاول کی بارہ دری سے نیچے اُترے اور سیدھا اپنے پیر حضرت امام علی شاہ صاحب سجادہ نشین رتڑ چھتڑ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے رات ہی کو چل کھڑے ہوئے۔

پیر و مرشد کی اطاعت کا بے نظیر نمونہ

دوسرے روز امرتسر پہنچے۔ امرتسر میں کچھ دیر قیام کر کے رتڑ چھتڑ تک پہنچے حضرت امام علی شاہ صاحب نے اُن کو دیکھ کر فرمایا۔ مہتاب خاں! دنیا کا انجام دیکھ لیا۔ اب یہاں رہو۔ عقبیٰ کی حالت سنوارو۔ نصف میل کے فاصلہ پر دھرم کوٹ تھا۔ لیکن چھتیس ۳۶ سال تک اپنے گھر کا مونہہ نہ دیکھا۔ اور پیر کی خدمت میں رہے۔ بعد اس کے میاں امام علی شاہ صاحب کے خلیفۂ اکبر مولوی غلام علی شاہ صاحب ٹونکی جو نواب وزیرالدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک کے بہنوئی تھے فوت ہوگئے۔ حضرت امام علی شاہ صاحب نے تعزیت کے واسطے انہیں نواب صاحب مرحوم کے پاس بھیجا۔ میری عمر اُسوقت پانچ سال کی تھی۔ دو سال نواب صاحب کے پاس رہے۔ نواب صاحب نے ایک ہاتھی اور دس ہزار روپیہ نقد اور چند کتابیں دیکر حضرت امام علی شاہ صاحب کی خدمت میں واپس کیا۔

مظہر جمال کا خطاب

وزیر بھلر کے پیٹن سید عطا اسد رتڑ چھتر کا اختیار کیا۔ اور حضرت امام علی شاہ صاحب کی خدمت میں دس ہزار روپیہ ہاتھی۔ اور جو کچھ کہ تحائف وزیرالدولہ بہادر نے بھیجے تھے پیش کئے۔ حضرت امام علی شاہ صاحب نے مظہر جمال کا خطاب دیا۔ آپ اس خطاب سے تادم مرگ مشہور رہے۔ کوئی شخص مہتاب خاں نہیں کہتا تھا۔ بلکہ میاں مظہر جمال کہتے تھے حضرت امام علی شاہ صاحب نے انہیں امرتسر میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت امام علی شاہ صاحب خاندانِ نقشبندیہ مجدّدیہ کے سجادہ نشین تھے۔ اور بجز اس خاندان کے اور کسی کی بیعت نہیں لیتے تھے۔ آپ نہایت متبع سنّت، پابندِ شرع راگ وغیرہ سننے سے مجتنب ایک صوفی سالک تھے۔ آپ کے ستّر یا بہتّر خلیفے تھے۔ جن میں سے حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خُسر حضرت منشی احمد جان صاحب مرحوم بھی تھے۔ منشی احمد جان صاحب جب لدھیانہ سے تشریف لاتے تو اپنے پیر بھائی میاں مظہر جمال صاحب کے پاس ایک شب یا دو شب قیام فرماتے

حج بیت اللہ

حضرت امام علی شاہ صاحب سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں انتقال فرماگئے۔ ان کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب حج کو چلے گئے اور مدینہ منورہ ہوتے ہوئے مضمونِ حدیث لاتشدوا الرحال الا ثلثۃ مقام مسجدی ھٰذا ومسجد الاقصیٰ ومسجد الحرام بیت المقدس چلے گئے۔ سال بھر بیت المقدس میں رہے۔ جب واپس آئے تو اُن پر تو ہّب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ بیعت لینے سے بہت متنفّر تھے۔ اُسوقت ایک کشمیر کے شاعر تھے مولوی ابو محمد حسن شعری۔ انہوں نے اُن کے آنے کی یہ تاریخ کہی۔ ؎

از حرم مظہر جمال آمد ؎ بادلِ شاد و خاطرِ آگاہ
گفت سالِ ورود او شعری ؎ ابدًا مظہرًا جمال اللّٰہ

اُن کی مہر کا سجع یہ تھا۔ ع

عالم ہمہ مظہر جمال است

تاریخ وفات

جب ان کا انتقال ہوا۔ تو میر کرامت اللہ میر امرتسری نے ان کی وفات کی یہ تاریخ کہی ؎

پئے سالِ تاریخ آں خوش خصال
بگو ہادیٔ ہند مظہر جمال

ایّام طفولیّت

غدر کو ابھی پانچ سال باقی رہتے تھے۔ کہ امرتسر میں میری پیدائش ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں مولوی غلام علی صاحب قصوری الملقّب بہ ابی عبد اللہ القصوری جو تمام امرتسر کے استاد اور نہایت مشہور و معروف عالم تھے اُن کی خدمت میں قرآن شریف کی بسم اللہ ہوئی۔ اور ملّا احمد صاحب کشمیری کی خدمت میں قرآن شریف کو ختم کیا۔ فارسی حضرت اکبر شاہ صاحب کی خدمت میں شروع کی اور فارسی کے ساتھ عربی مولوی احمد اللہ صاحب جو حضرت مولوی غلام علی صاحب کے شاگرد سے یعنی میزان الصرف اور صرف میر شروع کی۔ بعد ازاں حضرت مولوی محمد حسن صاحب شعری کی خدمت میں فارسی کی تکمیل کی۔ چونکہ اس اثنا میں میرے والد صاحب سفر میں تھے۔ حکیم مراد علی شاگرد مولوی گل علی صاحب بٹالوی سے طب شروع کی۔ حکیم مراد علی سخت متعصب شیعہ تھے۔ کچھ شیعیّت کا رنگ مجھ میں آگیا۔ اس اثنا میں جب والد صاحب سفر سے واپس آئے۔ اور لوگوں نے بیان کیا۔ کہ عبید اللہ پر شیعیّت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ تو آپ نے طب کے سیکھنے کے واسطے حکیم حسام الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن وہ تفضیلی تھے (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تو خلیفہ برحق مانتے مگر حضرت علی رضؓ کو آپ سے افضل سمجھتے) شیعیّت کا رنگ تفضیل کے ساتھ بدل تو گیا۔ لیکن والد صاحب اکثر اس بات سے ناراض رہتے تھے اس اثناء میں مولوی احمد اللہ صاحب نے مجھ کو حضرت مولوی غلام علی صاحب کی خدمت میں عربی پڑھنے کیلئے بھیجدیا۔ اسوقت کافیہ اور شرح ملّا اور مؤطا امام مالک اُن کی خدمت میں شروع کی۔ امرتسر کے ہائی سکول میں عربک ہیڈ مدرّس پر مولوی ابراہیم صاحب پانی پتی آگئے چونکہ مجھ کو علمِ ادب کا شوق تھا میں اُن کے پاس سبعہ معلّقہ اور حماسہ پڑھنے کو اکثر جایا کرتا تھا۔ مولوی ابراہیم صاحب پکّے شیعہ تھے۔ میری شیعیّت کچھ اُن کی تعلیم سے اور بھی سخت ہوگئی۔

ایک یہودی اور مسلمان کا مکالمہ

اسی اثنا میں سلیمان یہودی امرتسر میں آنکلا۔ یہ

علم عربی کا اچھا ماہر انسان تھا۔ ایک روز مولوی ابراہیم صاحب کے پاس آیا۔ اُسوقت ایک عیسائی دیال مسیح بھی بیٹھا ہوُا تھا۔ بخیالِ مناظرہ مولوی ابراہیم صاحب سے کہنے لگا۔ کہ آپ نبیؐ عربی کو سیّد المرسلین کہتے ہیں۔ اور یہ حضرت موسیٰؑ کو سیدالمرسلین کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی توریت کے ماننے والے یوشع نبی سے لیکر ملاکی نبی تک چلے آئے ہیں۔ اور سب نے کہا ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایسا نبی برپا نہیں ہوُا۔ اور سلیمانؑ اور داؤدؑ دونوں حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تابع تھے۔ نبی عرب کی شریعت کا کون تابع ہے۔ کہ آپ ان کو سیدالمرسلین کہتے ہیں۔ مولوی ابراہیم صاحب چونکہ شیعہ تھے۔ کہنے لگے کہ ہمارے آئمۂ اثناعشر چونکہ انبیاء سے افضل ہیں۔ وہ حضرت نبیٔ عرب کو سیدالمرسلین کہتے ہیں۔ اسواسطے ہم بھی سیدالمرسلین کہتے ہیں سلیمان کہنے لگا۔ امم سابقہ میں غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا آپ ثابت کریں۔ پھر میں تسلیم کرونگا۔ کہ آپکے آئمۂ اثناعشر انبیا سے افضل تھے۔ ورنہ آپ کا دعویٰ بغیر دلیل کے قابلِ سماعت نہیں۔ مولوی ابراہیم صاحب کچھ سٹ پٹا گئے جواب دینے سے قاصر رہے۔ انہی دنوں میں ایک دہریہ شخص ابوسعید ایرانی امرتسر میں آیا ہوُا تھا۔ چونکہ علمِ طب میں اس کو بھی مداخلت تامہ تھی۔ میں نے موجز اس سے شروع کی ہوئی تھی۔ اُس کے پاس میں نے یہ قصہ بیان کیا۔ وہ سن کر کہنے لگا۔ نبی کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن۔ اگر ممکن ہے تو پہلے بھی ممکن تھا۔ اب بھی۔ اور اگر اب غیر ممکن ہے۔ تو اسوقت بھی غیر ممکن تھا۔ سلیمان کے سامنے مولوی ابراہیم صاحب کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اس خیال نے میرے دل پر بڑا صدمہ پہنچایا۔ اور یہ میرا خیال اُسوقت رفع ہوُا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کیا۔

پادری رجب علی کا عیسائیت سے تنفّر

میرے عین شباب کے عالم میں جابجا عیسائی کیٹکیس (یعنی مبلغ) بیرون دروازہ رام باغ گرجے کے محاذ میں کھڑے ہو کر عیسائی مذہب کی منادی کیا کرتے تھے اس خیال سے میرے ایک دوست امیر بخش نامی اور مولوی غلام نبی نے عیسائی مباحثات میں توریت اور انجیل کا مجھے مطالعہ شروع کرایا۔ پادری رجب علی سفیر ہند پریس کے مینیجر نے مجھ سے کہا۔ کہ میں افسوس کرتا ہوں۔ آپ کیوں اپنی عمر کو اس طرف ضائع کرتے ہیں۔ تورات اور انجیل میں دھرا ہی کیا ہے۔ عیسائی مذہب کا مایۂ ناز مسئلہ تثلیث ثالوث اقانیم ثلاثہ۔ اب۔ ابن و روح القدس یہ انجیل سے ثابت کرنا نہایت دشوار ہے جبکہ تثلیث ہی انجیل سے ثابت نہیں ہوتی۔ تو عیسائی مذہب پا در ہوا ہے۔ غیر مذاہب کے سامنے خدا کا بیٹا اور تین خدا کہنا۔ اپنی عقل کا مضحکہ اڑانا ہے۔ اس خیال نے میرے دل کو عیسائی مذہب سے نفرت دلادی۔

رامپور کا سفر

پھر بوجہ باہمی نقاضہ کے جو مجھ میں اور میرے بڑے سوتیلے بھائی محمد حسین صاحب میں جائیداد کی نسبت پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے امرتسر کی سکونت کو ترک کرکے رامپور کا قصد کیا۔ اور بوجہ شاعری وہاں کا ملازم ہو گیا۔ یعنی رجسٹرار کتب خانہ بنا دیا گیا۔ اور میری تنخواہ پچھتّر روپے ماہوار مقرر ہوئی۔

پانچ سو روپیہ انعام

اسی اثناء میں کپتان نلسن صاحب پرائیوٹ سکرٹری لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کا فارسی استاد مرزا محمد علی کرانی بیمار ہو کر ایران چلا گیا۔ اس کی منشاء ہائی پرافیشنسی کا امتحان دینے کی تھی۔ اس نے ریاست سے ایک استاد طلب کیا۔ ریاست نے خاکسار کو منتخب کرکے اُن کے پاس بھیجا۔ اُس نے ہائی پرافیشنسی کے امتحان میں کامیابی پر پانچ سو روپیہ کا انعام مجھ کو دیا۔ پھر کپتان نسبٹ صاحب نائب قونصل ایران بندر بوشہر جانے والے تھے۔ انہوں نے ریاست سے خاکسار کو طلب کیا۔ اور اپنے ہمراہ ترجمانی کے کام پر لے گئے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح فارسی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن میری یہ ملازمت پرائیوٹ تھی۔ یعنی میں انکا نج کا ملازم تھا۔ جو خطوط وغیرہ لکھتے تھے۔ مجھ کو دکھلا لیتے تھے۔ سال بھر تک بندر بوشہر (ایران) میں اُن کے ساتھ رہا۔ اور دیوانِ قاآنی اور دیوان خاقانی شروانی مجھ سے پڑھتے رہے۔

کتاب ارجح المطالب کی تصنیف

سال بھر کے بعد جب کپتان نسبٹ صاحب ولایت چلے گئے۔ تو خاکسار پھر ریاست میں واپس آگیا۔ چونکہ تفضیلی خیالات کا تھا۔ اسواسطے حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب لکھنے کا ارادہ ہوُا۔ پورے چھ سال کی کوشش سے کتاب ارجح المطالب فی عدّ مناقب اسداللہ الغالب کا مسودہ تیار کیا۔

اس اثناء میں یہ خیال پیدا ہوُا۔ کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلی تصانیف کو دیکھا جائے۔ کہ آیا حضرت علیؓ نے یا حسنین علیہما السلام نے حضرات شیخین کے حق میں کہیں سوءِ ظنی کا اظہار کیا ہے۔ یا نہیں۔ اِس ادھیڑبن میں شیعہ کی کتب کو جو کتب خانۂ ریاست رامپور میں موجود تھیں۔ غور سے دیکھا۔ جب منشاء پورا نہ ہوُا۔ تو بحصول رخصت لکھنؤ گیا۔ اُسوقت تین عالم مذہب امامیہ کے بعہدہ مجتہدی قائم تھے۔ ایک مولانا حامد حسین صاحب مصنّف عبقات الانوار۔ دوسرے مفتی محمد عباس۔ تیسرے سیّد ابراہیم صاحب۔ تینوں کی خدمت میں حاضر ہوُا۔ اور اپنا خیال پیش کیا۔ نفی میں جواب ملا۔ میرے خیال نے پلٹا کھایا۔ کہ مدعی سست گواہ چست۔ جب حضرت علیؓ اور اہل بیت ہی حضرات شیخین کی نسبت کوئی کلمہ سوءِ ادبی کا استعمال نہیں کرتے۔ تو ہم کون ہیں کہ ان کی نسبت بد اعتقادی ظاہر کریں۔ اسوجہ سے خاکسار شیعہ مجالس عزا وغیرہ کی شمولیت سے باز رہتا رہا۔ مگر کتاب کو پورا کیا اور لاہور میں آکر جان محمد اللہ بخش کتب فروشان کشمیری بازار لاہور کی وساطت سے چھپوایا۔

صوبۂ پنجاب کی علمی خدمت

اسی اثناء میں بیل صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب سے ملا انہوں نے کہا۔ کہ آپنے صوبۂ غیر میں ملازمت کی ہے۔ اور اپنے صوبۂ پنجاب کی کوئی خدمت نہیں کی۔ اِس خیال نے میرے دل پر گہرا اثر کیا۔ میں نے کتاب ترجمانِ پارسی لکھی۔ جو سیّد ممتاز علی صاحب مالک رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور نے چھاپی۔ پروفیسر ذکاء اللہ۔ مولٰینا حالی۔ مولٰینا شبلی۔ سید جسٹس امیر علی بیرسٹرایٹ لاء۔ مولٰینا لطف اللہ علی گڑھی اور خود بیل صاحب نے اس پر ریویو لکھے۔ اور ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے تین سو روپیہ دیکر اس کو خرید لیا۔ اور اس کا انتخاب سرمایۂ خرد۔ پیرایۂ خرد۔ گنجینۂ خرد۔ کتب مروّجہ مدارس میں درج کرکے فارسی کورس میں شامل کیا۔ اس کے بعد فارسی بول چال مروّجۂ حال اہلِ ایران کی زبان کے مطابق لکھی۔ جس کو مالک پیسہ اخبار لاہور نے چھاپا۔ اور بلوچستان کے مدارس میں دیر تک رائج رہی۔ اسی درمیان میں مسدّس مدوجزرِ اسلام فارسی میں لکھا۔ اخبار حبل المتین کلکتہ نے اُس پر یہ ریمارک کیا۔ "یکے از وطن پرستانِ اہل ایران" اس میں خاکسار کو گویا ایرانی بتایا۔ سنجر ایرانی جسکو مولوی شبلی فارسی اشعار کی مشین کہا کرتے تھے جب اس نے دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھا۔ "واللہ من بہتر ازیں نمے توانم گفت"۔ یہ کتاب بھی چھپی ہوئی ہے۔ بعد اس کے ایک مثنوی لکھی جس کا نام مرآۃ الاسلام رکھا۔ وہ اخبار وکیل امرتسر مطبع لعد لمذار نے چھاپی۔ ارجح المطالب کی نسبت علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آجتک ہندوستان میں ایسی تصنیف نہیں ہوئی جس کا اب پانچواں ایڈیشن چھپ چکا ہے۔

ایک رؤیاء

اسی اثناء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کا چرچا سُنا۔ اور قادیان میں حاضر ہوُا۔ اور بیعت سے مشرف ہوُا جس زمانہ میں کہ شہزادہ عبداللطیف صاحب یہاں تشریف لائے ہیں۔ میرا آنا ایک خواب کی بنا پر تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔ اور ایک اونچے مقام پر برقعہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں۔ آنکھیں بہت روشن برقعہ سے باہر نظر آرہی ہیں۔ ریش مبارک مجھے ایسا معلوم ہوُا۔ کہ کسی قدر سفید اور سیاہ ہے۔ پاؤں میں کھٹی بانات کا جوتا۔ میں نے سلام عرض کیا ارشاد ہوُا۔ کہ مرزا صاحب سے کہدو۔ میں آگیا ہوں۔ میں نے عرض کیا بہت بہتر۔ میں اسوقت لاہور میں تھا۔ اس خواب کے دوسرے دن میں لاہور سے چلا۔ قادیان میں پہنچا۔ مہمان خانہ میں ٹھہرا ایک شخص کے ہاتھ میں درِّ ثمین فارسی دیکھی۔ میں نے کھولا۔ اور اس شعر پر نگاہ پڑی ؎

کربلائیست سیر ہر آنم ؎ صد حسین است در گریبانم

میں نے اپنے دل میں خیال کیا۔ بڑا دعویٰ ہے۔ میں وہاں سے مسجد مبارک پہنچا۔ مولوی عبدالکریم رضؓ صاحب بیٹھے ہوئے تھے ابھی کچھ باتیں نہیں ہوئی تھیں۔ کہ اتنے میں صاحبزادہ مولوی عبداللطیف رضؓ صاحب آگئے۔ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف رضؓ صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کی باہم گفتگو ہونے لگی۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اُن کا حسب نسب پوچھا انہوں نے اپنا حسب نسب سادات کے خاندان سے بتایا۔ اور حضرت اقدسؑ کی نسبت پوچھا۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ ابھی باہر تشریف نہیں لائے۔ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب کہنے لگے کہ کوئی جا کر کہدے "من آمدم" یعنی میں آگیا ہوں۔ اسوقت مجھ کو خواب یاد آگیا۔ اور صاحبزادہ صاحب کی شکل و شباہت کچھ ایسی معلوم ہوئی۔ جو میں نے رؤیا، میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی دیکھی تھی۔ کچھ لہجہ بھی حضرت امام حسین جیسا معلوم ہوا۔ میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ میں نے جنہیں خواب میں دیکھا تھا۔ وہ یہ ہیں۔ چونکہ یہ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں "الولد سرٌ لابیہ"۔ میں ایک مہینہ روز رہ کر چلا گیا۔ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب چند روز بعد لاہور میں ملے۔ اور واپس کابل تشریف لے گئے۔ اور شہید ہو گئے۔ اُن کی شہادت کی خبر سنکر ؎

کربلائیست سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم

کے معنے مجھ پر منکشف ہو گئے۔

قادیان میں ملازمت

اس کے ایک عرصہ بعد قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کھولا گیا۔ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی فارسی پروفیسر تھے۔ وہ ملازمت چھوڑ کر سیالکوٹ چلے گئے۔ مفتی محمد صادق صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ مفتی صاحب نے خاکسار کو خط لکھا۔ کہ گو تنخواہ قلیل ہے۔ مگر ایک دینی خدمت ہے۔ اگر آنا چاہو۔ تو یہ عہدہ تم کو مل سکتا ہے۔ میں قادیان آگیا۔ اور بیس روپے ماہوار پر الف۔ اے کلاس کو پڑھاتا رہا۔ پھر کالج ٹوٹ جانے کے بعد چار سال تک میں قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں پرشین ہیڈ ٹیچری کا کام سرانجام دیتا رہا۔

قادیان سے رامپور

اسی اثناء میں نواب حامد علی خانصاحب والئے ریاست رامپور نے بوساطت اپنے پھوپھا چھٹن صاحب بہادر اور نانا صاحبزادہ عنایت حسن خاں عرف اچھا میاں بار بار خط لکھ کر مجھ کو بلوایا۔ ارادہ تھا۔ کہ مجھ کو ولیعہد بہادر کا اتالیق مقرر کیا جائے۔ مگر نواب صاحب کو میری پہلی ہی ملاقات میں جب یہ معلوم ہو گیا۔ کہ میں احمدی ہوں۔ تو انہوں نے ولیعہد صاحب بہادر کی اتالیقی پر مقرر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور ہائی سکول میں مولوی عبدالعلی عاصی مدراسی کو پنشن دیکر عربک ہیڈ ٹیچری پر مقرر کیا۔ اور اسّی روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔

حق الیقین کی تصنیف

چونکہ اسوقت میری غرض یہ تھی۔ کہ خاتم النبیین کے معرکۃ الآراء مسئلہ پر غور کروں جس کے واسطے بعض کتب کے مطالعہ کی ضرورت تھی۔ اور رامپور کو ہندوستانی ریاستوں پر بوجہ جامعیت کتب خانہ فخر حاصل تھا۔ اس لئے میں نے رامپور کا قیام پسند کیا۔ اور کتاب حق الیقین لکھی۔ جو چھپ چکی ہے۔ اور جس کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی زبان مبارک سے یہ الفاظ باعث قدر افزائی ہوئے تھے۔ کہ یہ اچھی تصنیف ہے۔ اور جسقدر آج تک اس مسئلہ پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن سب سے زیادہ اس میں شرح و بسط موجود ہے۔

کارروائی جلسہ مجلس خدام الاحمدیہ محلہ دار الفضل

مجلس خدام الاحمدیہ محلہ دار الفضل کا ایک تعزیتی جلسہ مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۳۸ء مسجد دار الفضل میں بعد نماز عشاء زیر صدارت چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرار دادیں باتفاق آراء پاس ہوئیں۔

(۱) مجلس خدام الاحمدیہ محلہ دار الفضل کا یہ اجلاس جناب مولوی قمر الدین صاحب مولوی فاضل پریزیڈنٹ مجلس خدام الاحمدیہ قادیان کی اہلیہ محترمہ کی بیوقت وفات پر رنج و حزن کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ ہمیں اس المناک سانحہ پر جناب مولوی صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ اور خصوصاً اسلئے کہ مرحومہ ایسے وقت میں فوت ہوئیں۔ جبکہ محترم مولوی صاحب بعض امور سلسلہ کو سرانجام دینے کیلئے باہر تشریف لیگئے تھے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ مولوی صاحب۔ پسماندگان اور باقی متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور جناب مولوی صاحب کے خورد سال بچوں کو دین و دنیا میں اعلیٰ درجات عطا کرے۔ آمین

(۲) قرار پایا۔ کہ اس ریزولیشن کی نقول جناب مولوی قمر الدین صاحب مجلس مرکزیہ اور پریس کو بھیجی جائیں۔

(سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ محلہ دار الفضل)

وصیت!
نمبر ۵۲۹۷

منکہ عبدالغنی ولد شیخ غلام مرتضیٰ صاحب قوم شیخ قانونگو پیشہ زمیندارہ عمر تخمیناً ۵۳ سال تاریخ بیعت ۱۸۹۸ء ساکن وڈالہ بانگر ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ 4/1/39 حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔

اراضی واقعہ موضع ست کوٹ تحصیل صدر گورداسپور نمبر خسرہ ذیل ع 629 ع 1057/627 ع 1070/841 من ع 606 . ع 671 . ع 722 من نصف شمالی ع 723 ع 1139/725 ع 1123/1174 جملہ [illegible] کنال واحد ملکیت بلاشرکت غیر کی اور ع 153 . ع 587 ع 694 ع 769 ع 765 ع 1033/118 ع 134 - 141 - 147 - 693 ع 583 . ع 1173/593 . ع 584 ع 615 ع 621 ع 622 ع 1186/1058 ع 675 ع 685 ع 697 ع 702 ع 715 ع 717 ع 741 ع 159 . قطعہ [illegible] جملہ [illegible] کنال اور نمبر خسرہ ع 1185/1058 تعدادی یک کنال [illegible] مرلہ جملہ [illegible] کنال کا ½ حصہ اور نمبرات خسرہ ع 28 ع 48 ع 112 ع 576 ع 569 ع 618 ع 709 قطعہ [illegible] تعدادی [illegible] کنال کا چوتھائی حصہ ملکیت مشترکہ ہے اور اراضی واقعہ میر کیجانہ تحصیل بٹالہ نمبر خسرہ ع 348 تعدادی [illegible] مرلہ کنال واحد ملکیت بلاشرکت غیری ہے۔ گویا کلہم ملکیت واحد و از کھاتہ مشترکہ [illegible] کنال ہے۔ منجملہ اس کے نمبر خسرہ 348 تعدادی [illegible] واقعہ میر کیجانہ اور نمبر خسرہ ع 1139/725 تعدادی یک کنال واقعہ موضع ست کوٹ از کھاتہ واحد ملکیت جملہ [illegible] اراضی بحق صدر انجمن احمدیہ ہبہ باقبضہ کرتا ہوں۔

(۲) اراضی تعدادی [illegible] کنال واقعہ ست کوٹ میرے پاس بعوض مبلغ چار ہزار دو سو چھہتّر روپے میں رہن باقبضہ اور مستاجری ہے جسکی آمدنی دزر زمین کا دسواں حصہ بشرح صدر بحق صدر انجمن احمدیہ منتقل کرتا ہوں۔

(۳) اس کے علاوہ سکنی ایک قطعہ واقعہ بہاول نگر ریاست بہاول پور اور ایک قطعہ اراضی واقعہ محلہ دار العلوم قادیان اور مکانات سکنی واقعہ موضع وڈالہ بانگر و ست کوٹ میں ہیں۔ جنکی اندازہ قیمت مبلغ ایک ہزار روپیہ ہے۔ انکا بھی دسواں حصہ مبلغ یکصد روپیہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان منتقل کرتا ہوں۔

(۴) اس کے علاوہ میری ماہوار پنشن تا حال گورنمنٹ سے منظور نہیں ہوئی۔ اس کی منظوری پر اس رقم منظور شدہ کا دسواں حصہ تاریخ تحریر سے ماہ بماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں تا زیست داخل کرتا رہونگا۔

(۵) میری سالم جائیداد خود پیدا کردہ ہے۔

(۶) اس کے علاوہ میرے مرنے کے وقت جسقدر میری اور جائیداد ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

(۷) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔

بقلم عبدالغنی موصی۔

العبد:۔ عبدالغنی ساکن وڈالہ بانگر ریٹائرڈ نائب تحصیلدار بقلم خود

گواہ شد:۔ ڈاکٹر شیخ سردار علی ایم۔ بی ایس۔ ڈی۔ ٹی۔ ایم لیپر پروفی

گواہ شد:۔ شیخ رفیع الدین احمد سب انسپکٹر پولیس سندھ وارد وڈالہ بانگر

گواہ شد۔ رحیم بخش ولد میراں بخش راجپوت وڈالہ بانگر

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر اخبار الحکم تراب منزل قادیان سے شائع ہوا۔